ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

مقامِ محمد ﷺ

قرآنِ کریم کے آئینے میں

(۴)

قرآنِ حکیم رفیعِ ذکرِ محمد ﷺ عربی کی ربانی دستاویز

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے قرآنِ حکیم کو "کتاب العجائب والغرائب" قرار دیا تھا۔ قرآنِ عظیم کے دامن میں تمام معلوم موضوعات وعلوم کے اشارے اور تفہیم کے قرینے موجود ہیں۔ یہ انسان سازی اور سیرت سازی کی کتاب ہے۔ یوں یہ نفسِ انسانی کے ہر پہلو کا احاطہ کر لیتی ہے۔ انسان کی بلندیاں، انسان کی پستیاں، انسان کے ممکنات، انسان کی ملکوتیت، انسان کے سفلی رویے۔ انسان کے اندازہائے فکر اور اُن کی کجیاں، انسان کا اپنے آپ کو اللہ اور رسول ﷺ کے سپرد کر کے یداللہ کے مرتبے پر فائز ہونا اور تقدیرِ کائنات بن جانا۔ کون سا ایسا پہلو ہے جو اِس کتاب میں موجود نہیں۔

انسانی زندگی کے بارے میں قرآنِ عظیم اس کائنات اور اس کی آیات کی شہادت لاتا ہے۔ تاریخ کے آئینے میں انسان کو اُس کے خدوخال دکھاتا ہے۔ انسان کے عروج و زوال بلندی اور پستی کو تاریخ کے ساتھ جغرافیہ اور آسمان وزمین کی تخلیق کے حوالے سے بھی پیش کرتا ہے۔

قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن عظیم سائنس دانوں نے قرآن حکیم کی مدد سے اس دنیا کے حقائق کو سمجھا ہے۔ مغرب کے کتنے ہی جدید مفکروں اور سائنس دانوں نے حقائق

کائنات کے سلسلے میں قرآنی بیانات کی صداقت کو تسلیم کیا ہے۔

قرآن حکیم نے ہمیں معاشرتی آداب سکھائے ہیں، آئین جہاں بانی و جہاں گیری کے مسائل اسی کتاب نے اہل ایمان کو عطا کئے ہیں۔ اسی کتاب میں انسانوں کے لئے سب سے نافع آئین مملکت ملتا ہے، (۱) یہی کتاب ہمیں اقتصادیات کے وہ اصول عطا کرتی ہے جو انسان کو انسان کے استحصال سے بچا لیتے ہیں اور اقتصادیات کو اخلاقی رنگ اور روحانی آہنگ عطا کرتے ہیں۔

قرآن عظیم ہمیں استدلال کے مختلف طریقوں سے آشنا کرتا ہے۔ وہ ہمیں بحث و مباحثے کے آداب کی تعلیم دیتا ہے۔ استدلال اور بحث و مباحثے کا تعلق زبان کے ساتھ ہے، اسی لئے یہ کتاب ہمیں زبان اور اندازِ کلام کے دقیق نکات سے آشنا کرتی ہے۔ زبان لوگوں کو گمراہ کرنے کا وسیلہ نہیں بلکہ قولِ حسن اور قول سدید کو عام کرنے اور زندگی کا حصہ بنانے کے لئے ہمیں عطا ہوئی ہے۔ لہجے کی نرمی کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

متشابہات اور محکمات کے سلسلے میں زبان فہمی اور اسلوب شناسی کا سبق بھی اسی کتاب کے مطالعے سے ملتا ہے۔ اس کتاب میں غوطہ زنی سے اجمال اور تفصیل کے اصولوں کے موتی ہمیں ملتے ہیں۔ قرآن حکیم کے لسانی پہلوؤں میں مفہوم، دلالت، انداز خطاب، قرآنی تشبیہات اور استعارے، کنائے، ایجاز اور اطناب بھی شامل ہیں۔

آج علوم کے آفاق وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں۔ علوم میں اس قدر تیز رفتاری سے اضافہ اور پھیلاؤ تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں ملتا، مگر آج کے جدید ترین علوم کے مرکزی خیال اور حقائق اس کتاب میں موجود ہیں۔ کل، علمانے نحو، قواعد صرف ولغت علم الاصول، تاریخ، خواب اور اُس کی تعبیر، علم مواقیت، علم معانی و بیان علم ہندسہ، علم الجبر والمقالہ، فلکیات، صنعت کاری کے بنیادی اصولوں کو قرآن حکیم میں تلاش کیا اور مرتب کر کے پیش کیا۔ آج خلا، فضائے بسیط، نفسِ انسانی کے نئے پہلو، سیاروں اور کہکشاؤں کی دنیاؤں کا مطالعہ اس کتاب عزیز کی روشنی میں کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سارے علوم چھ ہزار سے کچھ زیادہ آیات کی اس کتاب میں موجود ہیں۔ اہل ایمان و علم کی توجہ سے یہ مضامین واضح تر ہو کر اور اُبھر کر سامنے آ رہے ہیں۔

قرآن مجید کے ایک ایک پہلو پر مستقل تصانیف موجود ہیں۔

ہمارے جن پڑھنے والوں کے پاس وقت ہو ان کے لئے ایسی کتابیں اردو میں بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اپنے پڑھنے والوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ کم سے کم علامہ جلال الدین سیوطی کی معروف کتاب الاتقان فی علوم القرآن کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ آسانی سے دستیاب ہے۔ علامہ سیوطی کا زمانہ ۸۴۹ھ سے ۹۱۱ھ تک کا ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہو سکے گا کہ دسویں صدی ہجری کے آغاز تک قرآن کریم کا مطالعہ کس قدر وسعت حاصل کر چکا تھا۔ دسویں صدی ہجری سے پندرھویں صدی ہجری کے اس ابتدائی دور تک مطالعۂ قرآن کے دائرے بہت وسیع ہو چکے ہیں۔

قرآن مجید ان تمام علوم اور موضوعات کا بحر ذخار ہونے کے ساتھ ساتھ انبیائے کرامؑ کی سیرت و کردار کا آئینہ خانہ بھی ہے۔ اور خاص طور پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، سیرت اور علوئے رتبہ کی ربانی دستاویز بھی ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ ہمارے محبوب اور ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمایئے۔ ظاہر ہے کہ اصحابؓ محمد ﷺ سے زیادہ اُن کے اخلاق سے کون واقف ہو سکتا ہے، ان کے اس سوال سے کئی اور نازک اور دل آویز نکتے اُبھرتے ہیں۔ وہ ذکر حبیب کو وصل حبیب کی ایک صورت سمجھتے تھے اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے ذکر سے اپنی زندگی کو آباد رکھنے کی تمنا رکھتے تھے۔ پھر امہات المومنین اور بالخصوص حضرتِ صدیقہؓ سے زیادہ حضور ﷺ کی زندگی کی نہایت اہم ساعتوں، خلوتوں اور گدازِ قلب کا محرم کون ہو سکتا تھا۔ حضرتِ صدیقہؓ کے انتخاب میں اُن کی علمیت اور تفقہ کا بھی دخل ہے۔ اس سوال کے جواب میں ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا اخلاق قرآن کی عملی اور جیتی جاگتی شکل تھا۔ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔

کان خلقه القرآن۔ (۲)

رفعِ ذکر

قرآنِ عظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ گرامی کی بلندی کی جاوداں دستاویز ہے۔ اُن کو نبی بنا کر ہماری طرف بھیجنے والے نے فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (۳)

اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کیا۔

اور یہ بات اُس وقت کہی گئی، اور اس وقت یہ بشارت اطمینان قلب کے لئے دی گئی جب مکہ مکرمہ آپ کی شدید ترین مخالفت کا مرکز تھا، جب آپ کی بات تالیوں کی گونج، بے ہنگم قہقہوں اور طنز و استہزا کے شور میں دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جاری تھی۔ جب مکہ کا ہر ذرہ اسلام دشمنی کی مہم میں شریک معلوم ہوتا تھا، جب طاغوت سوز آواز اور پیغام کو سحر، شاعری اور کہانت کہہ کر رد کیا جارہا تھا۔ جب سرورِ کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اس مخالفت کے طوفان میں فطری اور بشری طور پر تنگی محسوس کرتے اور ایک بڑے بوجھ کا احساس فرماتے۔ اس فضا اور ماحول میں قرآن حکیم کی یہ سورۃ الم نشرح نازل ہوئی،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَO (۴)

اے نبی کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔

اور

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ O (۵)

اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا، جو کمر توڑے دے رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اعتبار سے کشاد کی دولت سے سر فراز فرمایا۔ کفر کی طغیانیوں میں آپ کے سینے کو اسلام اور اپنی نصرت کے یقین سے آباد کر دیا۔ ہر انتشار ذہنی کی دھند چھٹ گئی اور اپنے پیغام کے حق ہونے پر وہ اعتماد نازل فرمایا، جس سے ٹکرا کر ہر طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ شرح صدر بخشا جس نے کار نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے بوجھ کو سہل اور گوارا بنا دیا۔

آپ کے قلب طاہر پر کفر اور شرک کے اُن مناظر نے بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا جو مکہ کے معاشرے میں عام تھے۔ آپ کے جد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت پوجے جارہے تھے، لات و ہبل و عزیٰ کی جے کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، خشکی اور تری پر فساد پھیل چکا تھا۔ رقص و سرود اور شراب نوشی کی مجلسوں میں اہل عرب انسانیت کے ہر تقاضے کو غرقِ مئے ناب کر رہے تھے۔ ربا نے تجارت کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور رزق حلال کے تصور سے ذہن نا آشنا ہو گئے تھے، جنسی جنون کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تمام رشتوں کی حرمت اور تقدس نے دم توڑ دیا تھا۔ انسانی جان کی حرمت کا تصور بھی ذہنوں میں مٹ گیا تھا۔ جہالت کے ایک

نعرے میں وہ جنگیں چھڑ تیں جو یک نسل سے دوسری نسل تک، بلکہ تیسری نسل تک جاری رہتیں۔ ان میں سے ہر بات اس ذات کے لئے ایک بوجھ تھی جو مشرکین کی ہمدردی اور بہی خواہی کی وجہ سے راتوں کو جاگتی رہتی اور اُن کے ایمان اور سلامتی کے لئے دعا کرتی رہتی، جس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو رات کی تاریکیوں میں شمع کی طرح روشن ہوتے۔

ان تینوں آیات میں "لک" اور "عنک" کی معنویت پر غور فرمایئے۔ یہ لفظ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے امین ہیں اور یہ لفظ دل کی طرح دھڑک رہے ہیں۔ آپ کی خاطر اللہ نے آپ کا سینہ کھولا، اور آپ ہی کے لئے آپ کا بوجھ کم کیا گیا، اور آپ ہی کی خاطر آپ کے ذکر کے آوازے کو بلند کیا گیا۔

آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو یوں بلند کیا گیا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی آنکھوں نے رفع ذکر کی کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ آسمانوں کے دریچوں سے جھانکنے والے ستارے جو ہر واقعے کے تماشائی اور شاہد رہے ہیں، اس رفع ذکر پر حیران ہوگئے اور ان کی یہ حیرانی بڑھتی ہی جارہی ہے۔

آپ ﷺ کے رفع ذکر کے پہلے کارندے تو قریش مکہ بنے جو ایام حج میں اطراف و اکناف سے آنے والوں کے پاس جاکر انہیں خبردار کرتے کہ اپنی "متاع ایمان" کو ہمارے کاہن اور ساحر سے بچائے رکھنا، اس کے الفاظ کے جادو سے اپنی ساعتوں کی حفاظت کرنا، اپنی بینائی کو اس کے چہرے کے طلسم سے بچائے رکھنا۔ وہ چہرہ جو دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ قریش کے ایسے کلام سے حج کے لئے آنے والی متلاشی روحوں اور متجسس ذہنوں کو اس کاہن، اس "شاعر" اس "ساحر" کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا اور پھر وہ حیرت سے سوچتے کہ یہ "آدمی" نہ تو کہانت کے نمونے پیش کرتا ہے، نہ اس کا کلام شعر کی طرح فرضی اور خیالی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتے کہ اللہ کی طرف بلانے والے اس شخص کے بارے میں قریش کسی ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہوتے۔ کاہن، ساحر، مسحور، شاعر، مجنوں۔ آخر سچ کیا ہے؟ سچ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہو، اور نبوت کے تصور سے وہ بالکل نابلد نہ تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو ان کی زندگی میں اس عالم گمراہی میں بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

حج کے لئے آنے والوں کے دل اسلام کے لئے کھلتے گئے اور یثرب کے لوگوں کی ساعتوں نے اس پیغام کو قبول کیا، اُن کی بصارتوں نے مکہ کے محمد بن عبداللہ کے چہرے پر تحریر

نبوت کو پڑھ لیا۔

پھر اسلام کے ”آزاد سفر“ کا دور مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسلام کے پہلے مشہود، بنیادی ادارے کے طور پر مساجد کی تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد اذان کو اسلام کے اساسی رکن نماز کے ساتھ وابستہ کر کے اسلام کے منشور اور اعلان کا درجہ دیا گیا۔ اسلامی ریاست کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا اور مسجد اسلامی بستیوں کا نشان ٹھہری۔ صدیاں سفر کرتی رہیں اور مشرق کے انتہائی بعید کنارے سے مغرب کے انتہائی بعید کنارے تک، شمال کے انتہائی بعید کنارے سے جنوب کے انتہائی بعید کنارے تک، مساجد کے مینار اُبھرتے گئے اور چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے یہ مینار اور مساجد کی محرابیں اشہدان لا الہ الا اللہ کے ساتھ ساتھ اشہدان محمد رسول اللہ کی آوازوں سے گونج رہی ہیں۔ یہ آواز گردش مہر و ماہ پر غالب آچکی ہے۔ زمین کا کون سا چپہ ایسا ہے جہاں کسی نہ کسی وقت یہ آواز بلند ہو کر فضا کو مرتعش نہ کرتی ہو اور محمد عربی کا اسم گرامی سن کر اہل ایمان اور مناظر حیات و کائنات تحفۂ درود و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ اللہ اور محمد (ﷺ) کے اسمائے مبارکہ سے دل کائنات نہ دھڑکتا ہو۔ اور ان ناموں کی گونج کا سلسلہ وقت کو اپنے احاطے اور دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور بات اذان تک محدود نہیں۔

خطبے میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی شامل ہے، اقامت میں یہ اسم گرامی شامل ہے، تشہد میں یہ اسم گرامی شامل ہے۔

رفع ذکر خاتم الانبیاء ﷺ کی شکلیں کتنی متنوع اور گوناگوں ہیں۔ نالۂ نیم شبی اور نغمۂ سحر گاہی میں اسم محمد قلب کی دھڑکن اور ہونٹوں کا ترانہ بن جاتا ہے۔

پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش ہو یا افغانستان اور دنیائے عرب ہو، اقصائے مغرب ہو، یا ولایاتِ فرنگ، اشتراکی چین ہو یا سرمایہ پرست امریکہ، جاپان ہو یا مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا اور ملائشیا، دنیا کے ہر ملک میں ہر رات بچوں کو سلاتے وقت ماؤں کے ہونٹوں پر یہ سرمدی نغمہ اُبھرتا ہے۔

حسبی ربی جل اللہ
ما فی قلبی غیر اللہ
لا اِلہ الا اللہ
نورِ محمد صلی اللہ

اور اس نغمے سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ عالم اسلام کی سرحدوں کا تعین یہی نغمہ کرتا ہے۔

صوفیوں کے حلقہ ذکر میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ کی ضرب محمد رسول اللہ کے کلمات ہی بنتے ہیں۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ وہ حرف تسلی تھا جس نے مکہ کے اس صبر آزما دور میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ عطا کیا، قربت الٰہی کا عظیم تجربہ ان الفاظ میں سمٹ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کلام الٰہی کو کون سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ پر نازل فرمائی اور اس کے مفاہم و مطالب آپ پر روشن کئے۔ حضور ﷺ نے اپنے یقین کو اور مستحکم کرنے اور اس حرف تسلی کو اور گہرائی دینے کے لئے حضرت جبریل امین سے "ورفعنالک ذکرک" کی حقیقت دریافت فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا، اِذَا ذُكِرْتَ مَعِيَ(۶)

اور اس حقیقت کا مشاہدہ آج ہم میں سے ہر ایک کر رہا ہے۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں اُن کے رسول اور بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔

آیئے رفع ذکر کے اس مختصر سے بیان کو قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری صاحب رحمۃ للعالمین کے الفاظ پر ختم کریں۔

> بحر الکاہل کے مغربی کنارے سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارے تک رہنے والوں میں سے کون ہے جس نے صبح کے روح افزا جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خموشی میں اشہد ان محمد رسول اللہ کی سریلی آواز کو جاں بخش نہ پایا ہو؟
>
> یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کی ہستی کے بہتری آغاز وانجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔
>
> کیا رفعتِ ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے؟ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں، کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک

ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں بلکہ اس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بیشک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدہ نام کے نامِ نامی کو حاصل ہے جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی کہ اس کے نام کو برکت دی جائے گی۔(۷)

آپ کی جان کی قسم

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ آپ سے زیادہ اکرام واحترام کسی کو بارگاہِ رب العزت میں حاصل نہیں۔ ایک طرف آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا اور دوسری طرف حق تعالیٰ نے آپ کی جان اور عزت کی قسم کھائی ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (۸)

اے نبی ﷺ! آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

یہ قسم اس تاریخی لمحے اور منظر کی توثیق کے لئے کھائی گئی ہے جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والے اُن کے مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے اور حضرت لوطؑ ان سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ عذاب سے پہلے کی ساعت تھی اور پھر سورج نکلتے نکلتے سخت آواز کے دھماکے نے اُن کو آلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

اس واقعے کی صحت اور شدت کے اظہار کے لئے رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابو نعیم اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات وکائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر وحیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔(۹)

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر قرآن حکیم کی قسموں پر مختصراً گفتگو کی جائے۔ قرآن حکیم

کی قسمیں قرآنی مطالعے کا ایک مستقل عنوان اور باب ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیمؒ کی تالیف التبیان فی اقسام القرآن نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی تالیف الاتقان فی علوم القرآن کی نوع ۶۷ میں قرآن کریم کی قسموں پر کلام کیا ہے۔

قسم سے خبر کی تحقیق اور توکید مقصود ہوتی ہے۔ ''و'' حرف قسمیہ ہے، لیکن خبر سے بھی قسم کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔ مثلاً

وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ المنافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ۔(۱۰)

اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے ہیں۔

اللہ رب العزت نے یوں اس پیرائے میں اپنی قسم کھائی ہے۔

تحقیق و توکید کے علاوہ قسم، محاورۂ اہل عرب کا اہم حصہ تھی، اور قرآن حکیم محاورہ اہل عرب کی بے مثال مثال ہے۔

ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی مخلوق کی قسم کھانا منع ہے۔ ہمارا شاہد اور گواہ وہی ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات کی ہر چیز، خواہ ابھی وقوع پذیر بھی نہ ہوئی ہو اس کے دائرہ عمل میں شامل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی ذاتِ عالیہ کے علاوہ اپنی مخلوقات کو بھی اپنے قول کی شہادت کے طور پر پیش کرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سات مقامات پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ افعال و صفاتِ ربِ کریم کے علاوہ قرآنِ کریم کی قسم بھی موجود ہے۔

قرآنِ عظیم میں ارض و سماوات، فرشتوں، مقاماتِ مقدسہ، ستاروں، سورج کی چڑھتی ہوئی روشنی، رات (اور اس کی نشانیوں) کی قسم کھائی گئی ہے اور اُن چیزوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اقتدار کی مظہر ہیں۔ مخلوقات کی قسموں میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ''تین'' اور ''زیتون'' کی قسموں میں رب محذوف ہے۔ ''ورب التین'' اور ''رب الزیتون'' یہ بات بدیہی اور بہت واضح ہے۔ فاعل کے بغیر مفعول کا وجود ممکن نہیں۔

قرآنِ حکیم کی قسموں کا اُن مضامین و موضوعات سے گہرا رشتہ ہے جو قسم کے بعد پیش کئے گئے ہیں۔ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے وہ اس مضمون کی صداقت پر شہادت دیتی ہے۔ کہیں کہیں کئی قسمیں ایک ساتھ آگئی ہیں، مثلاً سورۂ الشمس کی پہلی سات آیتوں میں سات قسمیں ہیں۔

۱۔ سورج کی اور دھوپ چڑھنے کی،

۲۔ چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے۔

۳۔ دن کی قسم۔

۴۔ رات کی تاریکی کی قسم۔

۵۔ آسمان کی اور اُس کی تخلیق کی قسم

۶۔ زمین کی اور اس کے بچھائے جانے کی قسم۔

۷۔ انسانی نفس اور اس کی درستگی کی قسم۔

جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ان کے تضاد اور پھیلاؤ سے انسان کے بامُراد اور کامگار اور نامُراد ہونے کی حقیقت اور مسائل اُبھر کر سامنے آگئے۔ اپنے نفس کو سنوارنے والا منزل تک پہنچ گیا، اور نفس کو خاک میں ملانے والا خسران میں مبتلا ہوا۔ تقویٰ اور فجور کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور انسان کو اِن میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید کی قسمیں اللہ تعالیٰ کے دین اور راہِ ہدایت، انسانی تقدیر اور مسائلِ کائنات پر حاوی ہیں اور ہمارے دل اور ذہن کو نیکی کی حقیقت اور ہماری حقیقت پر مطلع کرتی ہیں۔

قرآنِ حکیم کی قسموں کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ ہمارا موضوع نہیں، اور ویسے بھی اس کتاب عظیم کی تمام حکمتوں کو کون سمیٹ سکتا ہے۔ یہ حکمتیں تو آہستہ آہستہ گردشِ ماہ و سال کے ساتھ اُبھر کر ہمارے سامنے آرہی ہیں، لیکن ایک پہلو پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی بہت سی قسمیں رسول رب العالمین کے رتبے اور ان کی رسالت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

سورۂ النجم مکی سورۃ ہے جس میں ذکرِ معراج بھی ہے۔ مکی دور کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص طور پر دل دہی کی ہے اور حرفِ تسلی سے نوازا ہے۔ عام الحزن کے بعد آپ ﷺ کو معراج جیسی عظمت اور تحفہ عطا ہوا۔ سورۂ النجم کی ابتدائی چار آیتوں میں صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبہ کا ذکر ہے اور ستارے کو اس پر گواہ بنایا گیا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى O مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى O وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۱۱)

قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا نہ بہکا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

ستاروں کو انسانی تاریخ میں رہنمائی کے لئے استعمال کیا گیا اور مخصوص حالات میں ستارے آج بھی قافلوں کی رہنمائی کرتے ہیں، بلخصوص ریگستانی علاقوں میں جہاں رات کو سفر کیا جاتا ہے، اور جدید آلات رہنمائی موجود نہ ہوں۔

یہاں ستارے کے غروب ہونے یا غروب شدہ ستارے کی قسم کھائی جارہی ہے، یعنی اندھیرا غائب ہوچکا ہے اور کائنات کی ہر چیز روشن طور پر سامنے ہے۔ یہ روشنی اس بات کی شاہد ہے کہ تمہارے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اختیاری اور غیر اختیاری بہکاوے اور بھٹکنے سے محفوظ ہیں۔ ستارے کے سفر اور آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سفر نبوت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ:

جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستے پر چلے جاتے ہیں، کبھی اِدھر اُدھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت ﷺ بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر برابر چلے جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم اِدھر یا اُدھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو اُن کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو، انبیا علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیا کی تشریف بری کے بعد آفتابِ محمدی ﷺ مطلع عرب سے طلوع ہوا، پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اِس قدر محکم بنایا ہے کہ اُس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ اِن باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب وماہتاب کا انتظار کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے، جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔ (۱۲)

سورۂ البلد کا آغاز مکۂ معظمہ کی قسم سے ہوتا ہے اور دوسری آیت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخاطب ہے اور اس طرح بلد الامین اور رسول الامین کا رشتہ اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (۱۳)

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی، اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی مکہ کی قسم کھائی ہے۔ مکہ مکرمہ جس کے آغوش میں کعبۃ اللہ ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر۔ اگلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ ان دونوں آیات کے معنوی ربط سے یہ مفہوم بھی اُبھرتا ہے کہ مکۂ معظمہ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ اس میں رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہے۔ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ میں یہ مفہوم موجود ہے۔ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ سامنے آتا ہے کہ جس حرم میں جانور کا شکار نہیں کیا جاتا اور جس کی حرمت کا مشرکین قریش اتنا خیال کرتے ہیں وہ ہر ظلم وستم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقا کے لئے حلال کرلیا گیا ہے اور تیسرا مفہوم ایک عظیم پیش گوئی ہے۔ فتح مکہ کی خبر اور بشارت، اس اعتبار سے دوسری آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ عن قریب یہ شہر کفر کی بیخ کنی کے لئے آپ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک دن کے لئے احکامِ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معطل کر دیئے گئے تھے۔ اگرچہ فتح مکہ اس اعتبار سے ایک تاریخی معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کے لئے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ لاتثریب علیکم الیوم۔ (۱۴) لیکن دو ایک افراد جن کے جرائم ناقابل معافی تھے فتح مکہ کے موقع پر قتل کیے گئے۔

سورۂ یٰسٓ میں قرآنِ حکیم کی قسم رسالت محمدیہ ﷺ کی توکید واثبات کے لئے کھائی گئی ہے۔

یٰسٓ ۝ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ (۱۵)

یٰسٓ۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو (اور) سیدھے راستے پر ہو۔

سورۂ یٰسٓ مکی سورہ ہے۔ یہ مکی عہد کے اس دور اور مرحلے کی سورۃ ہے جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوت اور پامردی سے قریش اور اہل مکہ کو ان کی روش حیات کے نتائج سے ڈرا رہے تھے۔ یٰسٓ کو اس کی حیات بخش تعلیم اور انداز کی وجہ سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا دل قرار دیا، اور اس کی حیات بخشی کے اس پہلو پر غور فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سورۂ یسٓ اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔

اس کی مصلحت یہ ہے کہ موت کے تجربے سے مومن اس یقین کے ساتھ گزر سکے کہ موت جنت اور حیاتِ ابدی کا دروازہ ہے۔

سورۂ یسٓ کی یہ چار ابتدائی آیات اور ان میں قرآن حکیم کی قسم، سرورِ سروراں صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ بلند کی ایک اور شہادت ہے۔ قرآن حکیم کے حروفِ مقطعات کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن یسٓ کے بارے میں صحابہ کرامؓ، تابعین اور بعض ممتاز مفسرین قرآن حکیم کا قول ہے کہ یسٓ کے معانی ہیں "یا انسان"۔ بعض کے نزدیک یہ "یا سیّد" کا مخفف ہے۔ اور ان دونوں مفاہیم میں سے آپ کسی کو قبول کریں، دونوں صورتوں میں یہ خطاب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، کیونکہ آپ ہی انسانوں کے عظیم ترین نمائندہ ہیں، اور آپ ﷺ ہی اولادِ آدم کے سیّد ہیں۔ یسٓ کے یہ معانی حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک، حسن بصری، ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہیں۔ (۱۶)

اس خطاب کے بعد قرآن حکیم کی قسم رب العزت نے کھائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے پردے میں اہلِ عرب اور قیامت تک کے انسانوں کو یہ بات بتائی گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ وہ جس راستے کی دعوت دے رہے ہیں وہی انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

قرآن کریم کے لئے یہاں حکیم کی صفت کا استعمال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اظہار کے لئے ہے۔ قریش اور اہلِ مکہ کو (ان کے بعد سارے انسانوں کو) اُن کا رب یہ بتا رہا ہے کہ قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیمات اور اس کے حیات بخش و حیات ساز تصورات، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبیٔ برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں منکرین حق کو دعوت دی گئی کہ اس کے مثل ایک ہی سورۃ لے آؤ۔ اور ایک سورت تو بڑی بات ہے ایک آیت ہی لے آؤ۔ اور سب نے اپنے آپ کو عاجز پایا۔

ہم نے فخرِ زمین و زمن صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ گرامی اور مرتبہ عالی پر گفتگو کا آغاز سورۂ الم نشرح کی آیت و رفعنالک ذکرك سے کیا تھا۔ مفسرین اور قرآن حکیم کے معنوی ربط پر ذکر رکھنے والے سورۂ الضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کو توام سورتیں قرار دیتے ہیں۔ قرآنی قسموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ، نبوت اور صداقت کے اس مختصر بیان کو ہم سورۂ الضحیٰ پر ختم

کریں گے۔ انشاء اللہ

سورۂ الضحیٰ نبوتِ محمدی ﷺ کے ابتدائی عہد کی سورہ ہے۔ اس عہد کی سورتوں میں توحید، آخرت اور ایمانیات کا ذکر ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبتِ الٰہی کا وہ اظہار ہے جو کارِ نبوت کی گراں باری کو آسان اور سہل بنانے کے لئے ضروری تھا۔

ابتدائے نبوت میں مختصر وقفوں کے لئے سلسلہ وحی ایک بار سے زیادہ مرتبہ منقطع ہوا۔ سلسلہ وحی کے آغاز کے کچھ عرصے بعد ہی وحی کا سلسلہ بند ہوا جسے زمانۂ فترتِ وحی کہتے ہیں۔ وحی کا تجربہ ایک عظیم تجربہ تھا۔ وحی الٰہی کے بوجھ کو صرف رسول کے اعصاب اور اس کا قلب ہی سہار سکتا ہے، ورنہ اس بوجھ سے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ بعد کے دور میں جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نزولِ وحی، معمول کا تجربہ بن گیا تھا، وحی کے نازل ہوتے وقت اگر آپ ﷺ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنے پیٹ کو زمین سے لگا دیتی اور بیٹھ جاتی۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختصر عرصوں کے لئے وحی کے سلسلہ کو روک دیتے۔ یہ وقفہ اتنا ہی ناگزیر اور فطری تھا۔ جیسے دن کی روشنی اور ہنگاموں کے بعد رات کی تاریکی اور سکون جو انسان کو نیند کی دولت عطا کر سکے، اسی لئے اس سورۂ کا آغاز دن کی روشنی اور رات کے سکون و سکوت کی قسموں سے ہوا ہے۔

وَالضُّحیٰ O وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی O (۱۷)

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی (روزِ روشن کی) اور رات کی جب چھا جائے۔

اور ان دونوں قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تسلی سے نوازا۔ آپ کو اپنے لطف و کرم سے یقین دلایا کہ وہ آپ سے ناراض نہیں اور نہ اس نے آپ کو چھوڑا ہے۔ یہ تو محض تمہید ہے۔ اس کے بعد ربِ ذوالجلال نے بشارت دی کہ آنے والا دور بہتر ہوگا اور وہ اپنے رسول ﷺ کو اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔

ما وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی O وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی O (۱۸)

تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور آنے والا دور (آخرۃ) پچھلے دور (اولیٰ) سے بہتر ہے۔

رسول کا تکیہ اور سہارا اس کا رب ہوتا ہے۔ وہ اس کے پیغامِ ہدایت کو انسانوں تک

پہنچانے کے لئے ساری دنیا کی مخالفت اور دشمنی مول لیتا ہے۔ وہ غیر اللہ کی خوشنودی اور ناراضگی کے خیال سے بالاتر ہوتا ہے۔ رب راضی تو جہاں راضی۔ رضائے رب انعام رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ نوید دی کہ آخرت، اولیٰ سے بہتر ہے۔ اس آیت کا بنیادی اور پہلا مفہوم وہ حقیقت ہے جو ہر رسول کے پیغام کا بنیادی حصہ رہی ہے۔ آخرت اور آنے والی دائمی زندگی یقیناً اس دنیا اور اس کی عارضی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن اس سورۃ کے سیاق و سباق، پس منظر اور موضوع کے پیش نظر یہ بات ایک بدیہی حقیقت کی طرح اُبھرتی ہے کہ یہاں آخرت اور اولیٰ کے معانی میں پچھلا اور موجودہ دور اور آنے والا دور شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مژدہ سنایا کہ ان آزمائشوں، قریش کی ایذار سانی اور اُن کے طنز و استہزا سے غمگین نہ ہوں۔ یہ کون ہیں یہ کہنے والے کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ہم تمہیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہر آنے والا مرحلہ اور دور، پچھلے مرحلے اور دور سے بہتر ہوگا۔ غم کے بادل چھٹ جائیں گے اور حقیقی مسرتیں تمہاری اور اہل ایمان کی زندگی کے مطلع پر چھا جائیں گی اور اللہ کا ابر رحمت، مسلمانوں کی زندگی کو سرسبز و شاداب کر دے گا، مخالفتیں دم توڑ جائیں گی، دنیا تمہارے پیغام کو قبول کر لے گی، اور بات اس دنیا تک محدود نہ رہے گی بلکہ آنے والی دنیا اور زندگی تو تمہارے اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی خوشنودی کا قائم رہنے والا اظہار اور اعلان ہوگی۔

ہر بشارت، ہر خوش خبری اور ہر سعادت اس وعدے میں سمٹ آئی ہے کہ تمہارے لئے آنے والا زمانہ، پچھلے زمانے سے بہتر ہوگا۔ اور اللہ سے زیادہ صادق القول کون ہو سکتا ہے۔ اور مستقبل کی ان بشارتوں کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی اُن تبدیلیوں کو بنایا گیا ہے جو قریش مکہ کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔ قریش جانتے تھے کہ پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، لیکن آپ کو اس طرح پرورش اور شفقت کے سائبانوں کے نیچے رکھا گیا کہ جس کی مثال کسی یتیم کی زندگی میں نہیں ملے گی۔ چھ سال کی عمر تک ام النبی حضرت آمنہ کی آغوش مہر و عطا میں آپ نے سانس لی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی زندگی پر سایہ گستر رہے، وہی عبدالمطلب جو رب کعبہ پر اٹوٹ یقین رکھتے تھے۔ وہ ابرہہ کے لشکر والوں سے اپنے اونٹ واپس مانگنے گئے تھے، اور کعبے کے بارے میں پورے یقین سے کہا تھا کہ اس کی حفاظت اس کا رب کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بطن آمنہ میں پرورش پانے والا بچہ جب اس دنیا میں آئے گا تو زندگی کے ورق پر اپنا نشان ثبت کر

دے گا۔ ان کی وفات کے بعد ابو طالب آپ کے کفیل اور سرپرست بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ اللہ کی اُن طاقتوں میں شامل ہوگئے جن کا کام نبیٔ آخر الزماں ﷺ کی حفاظت کرنا تھا۔

اور پھر اہل مکہ نے یہ بھی تو دیکھا تھا کہ بت پرستی، فسق و فجور، عیش و عشرت اور ظلم کی چھائی ہوئی فضا میں پلنے والا یہ نونہال اگرچہ معاشرے کی ہر گمراہی سے محفوظ رہا، لیکن اُسے اپنی منزل کی خبر نہ تھی۔ اُسے اپنی منزل تو عہد شباب کے نقطہ عروج پر ملی جب حیرانی اور تلاش کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے ایمان، رب شناسی، کائنات فہمی اور انسان سازی کی اس دولت میں بدل دیا جسے نبوت کہتے ہیں۔

اہل مکہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اپنی عالی نسبی کے باوجود آپ کے دامن میں دولت دنیا نہ تھی۔ پھر رب جلیل نے آپ کو رزق کریم سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آپ ﷺ کو مکہ کی سب سے باثروت خاتون کا تجارتی نمائندہ اور شریک تجارت بنایا اور پھر ان خاتون کی عائلی زندگی، وجود محمدی کے نور سے روشن ہوگئی اور وہ آپ کی شریک حیات بن گئیں۔ ایسی شریک حیات جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، جس کا گھر پہلا دار الاسلام بنا۔ جس گھر کی فضاؤں میں علی مرتضیٰ کی پرورش ہوئی۔ اور جہاں زید بن حارثہ تکریم آدم و آدمیت کا نشان بنے، اور محبت نبی کے عظیم نشانوں اور علامتوں میں سے ایک قرار پائے۔

یہ سارا پس منظر اور بشارت عظمیٰ چار آیتوں میں سمٹ آئی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْماً فَاٰوٰى ○ وَ وَجَدَكَ ضَآلاً فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلاً فَاَغْنٰى ○ (۱۸)

اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر (عزت کا) ٹھکانا دیا اور ہم نے تمہیں متلاشی (اور حق کے لئے سرگرداں) پایا اور پھر راہ دکھائی، اور ہم نے آپ کو نادار پایا پھر آپ کو غنی کر دیا۔

سورۃ الضحیٰ سورۃ الم نشرح، سورۃ کوثر، سورۃ محمد، سورۃ الفتح، قرآن حکیم کی کئی سورتوں اور بہت سے مقامات کی طرح رفع ذکر محمد ہے۔

اللّٰھم صل علٰی محمد و علٰی ال محمد۔

صاحبِ خیرِ کثیر

اللہ تعالیٰ نے فخر نوعِ بشر کے ذکرِ گرامی کو جس طرح سربلند فرمایا اس کا اجمالی ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ کی جان کی قسم کھا کر رب ذوالجلال نے آپ ﷺ کی محبوبیت پر دائمی مہر ثبت کر دی اور پھر کائنات کے مظاہر و مناظر کی شہادت کے ذریعے آپ ﷺ کے علوئے مرتبہ کو قرآنِ حکیم کے مرکزی مضامین میں شامل فرما دیا۔ یہ سلسلہ کئی اور پہلوؤں سے بھی کلامِ ربانی میں مسلسل جاری رہا۔ آپ کے مرتبہ رسالت، تنذیر، تبشیر، شہادت، رحم و رحمت، دعوت و تبلیغ، عبدیت و مقامِ محمود و معراج، غلبہ، تعلیم و حکمت پر آگے چل کر گفتگو کی جائے گی تاکہ آپ کے فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے آپ ﷺ کی عظمت کی ایک جھلک سامنے آسکے۔ اس ابتدائی اور تمہیدی حصے میں اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی اعزازات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو نذرِ قلوبِ عالم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خیر کثیر تھے، اور خیر کثیر کے اس انعام عظیم کا ذکر تین آیات کے سورۃ الکوثر میں جس طرح سمٹ آیا ہے اس نے قرآن کو ایک معجزہ قرار دینے پر قریش مکہ کو بھی مجبور کر دیا تھا۔ یہ الگ بات کہ سعادت ایمان ان میں سے بہتوں کی قسمت میں نہ تھی۔ سورۃ الکوثر حرف و بیان کا افق اعلیٰ ہے۔ یہی وہ سورہ ہے جس نے فصحائے قریش کو یہ اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا کہ اس کلام کا تعلق ذہن انسانی سے نہیں۔ وہ سبعہ معلقات جو شاعری کی دنیا میں آج تک عہدِ جاہلیت کے عربوں کی امامت کا اعلان سمجھے جاتے ہیں، ان تین آیات کے سامنے اپنی آب و تاب کھو بیٹھے تھے۔ اس سورۃ کے بارے میں ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی رحمہ اللہ نے فیوض القرآن میں نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا ہے اُسے ہم حرف محبت کہہ سکتے ہیں۔ وہ محبت کہ فکر اُس کا ایک پہلو ہے۔

> یہ ایک مختصر ترین سورت ہے لیکن کیفیات مصطفوی ﷺ کی آئینہ دار ہے۔ اس آئینے میں خیر ہی خیر نظر آتا ہے، اور خیر کثیر کے دامن خیر سے وابستگی کے انداز امت کو سکھائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو خیر کثیر سے نوازا۔ دنیا اور آخرت کا تاج دار بنایا۔ اسلام کا پرچم دیا، دل کو محبت کی جلوہ گاہ بنایا۔ آپ کو ہر

عالم کے لئے رحمت بنایا یہ سورۃ بیک وقت توحید، رسالت، آخرت، انعاماتِ الٰہی دنیوی و اخروی، ظاہری اور باطنی جملہ مضامین پر مشتمل ہے۔(۲۰)

سورۃ الکوثر مکی عہد کے اس زمانے میں نازل ہوئی، جب قریش کی مخالفت، ایذا رسانی اور مخالفت کی مہم اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، یہی وہ زمانہ تھا جب رب محمد ﷺ نے ان کے قلب کو حزن اور خوف سے بالاتر کرنے کے لئے سورۃ الضحیٰ، سورۃ الم نشرح نازل فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب تو گہوارہ سکینہ تھا۔ وہ اپنے رب کی قربت کی نعمتوں سے ہر آزمائش میں تسکین کی صورتیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن اہل ایمان اور مشرکین قریش کی کیفیات فکر، رویئے اور عمل کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کے اعلان کی بڑی اہمیت تھی۔

اہل ایمان کے لئے اس لئے کہ ان کا ایمان فزوں تر ہو جائے اور مخالفین کے واسطے اس لئے کہ وہ مستقبل میں ان الفاظ کے آئینے میں اسلام کی صداقت کا بار بار نظارہ کر سکیں، بلکہ اس حرف دل دہی کو تاریخ انسانی کا حصہ بننا تھا تاکہ ہر دور میں اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو سکون واطمینان قلب حاصل ہو سکے۔

کوثر کے عام مفہوم سے تو ہر مسلمان واقف ہے، یعنی یہ جنت کی ایک نہر ہے، اور احادیث سے یہ صداقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ میدانِ حشر میں اس سبز عریض و طویل ذخیرۂ آب ہوگا اس لمحے جب انسان کو اپنا ہوش بھی نہ ہوگا، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے دست عطا سے جسے ایک جام بھی عطا ہو جائے گا، وہ بھوک و پیاس سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن یہ تو کوثر کا ایک پہلو ہے۔ ادنیٰ سا پہلو۔ کوثر کی پنہائیوں اور پہلوداری زندگی کی ہر چیز کا احاطہ کر لیتی ہے۔

کوثر میں نعمت، انعام رب، خوبیوں، بھلائیوں کی ایسی کثرت سمٹ آتی ہے جو کسی عالم میں کم نہ ہو۔ اور پھر یہ ہر نعمت ایک دوسرے سے ہم آغوش بھی ہو اور الگ الگ بھی۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر غور فرمایئے۔ سخاوت کی کثرت جیسے فیاضی اور سخا کی ہوا بہ یک مسلسل چل رہی ہو۔ علم کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ عالم الغیب والشہود جل جلالہ نے اپنے حبیب کو اس دنیا کی ہر اس بات علم جس سے مسلمان کے ایمان میں اضافہ ہو، جنگ خندق میں جب آپ نے ایک سخت چٹان کو توڑنے کے لئے کدال چلائی تو اس سے اٹھنے والی چنگاریوں کی چمک میں آپ کے سامنے مشرق و مغرب کے محلات روشن کر دیئے۔ وہ حدیں نگاہوں کے سامنے

آگئیں، جہاں تک اسلامی ریاست کو پھیلنا تھا۔ قیامت تک کے لئے ہر بشارت، ہر انعام اور ہر فتنہ کی خبر آپ کو دکھائی آج احادیث کی کتابوں میں، ہر آثار فتن کو روشنی میں آپ کے عفو و درگزر کا یہ عالم کہ کفار کے لئے رحمت عالم کی آنکھیں اشکبار رہتی تھی۔ یہاں مثلاً چند باتوں کی طرف اشارے کئے گئے۔ اگر اس بات کو اخلاق محمدی ﷺ کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا جائے تو دفتر درکار ہوں گے۔ مگر ہمارے بعض مفسروں کی یہ بات دل کو لگتی ہے کہ کوثر سے اساسی طور پر مراد قرآنِ حکیم ہے جو نعمتوں کی نعمت ہے جو مؤمن کے لئے شفا ہے، متقیوں کے لئے راہ ہدایت ہے، زندگی کی صراط مستقیم اور جنت کا رہنما ہے،

سورۂ کوثر بھی سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کے سلسلے کی کڑی ہے۔ ایک ایسی سورۂ جس سے آپ کو تسلی دی گئی آپ کی اپنی آل کی فراوانی کی خبر دی گئی اور اس آل میں آل معنوی بھی شامل ہے اور وہ جو آپ کو اولادِ نرینہ سے محرومی کا طعنہ دیتے تھے انہیں ”ابتر“ قرار دیا گیا۔

آپ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کا جب بچپن میں انتقال ہو گیا تو قریش مکہ آپ کو طنزاً ابتر یعنی نسل بریدہ کہنے لگے بعض نے اس خیال کا برملا اظہار کیا جب آپ کی اولاد ہی نہ ہو گی تو آپ کا پیغام بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ لوگ اسی طور پر سوچتے تھے، اولاد اور نسب ہی ان کے لئے سب سے بڑا حوالہ تھا۔ اسلام تو عہد جاہلیت کے ہر حوالے کو بدلنے آیا تھا۔ اس نازک مرحلے اور نفسیاتی دباؤ کے دور میں آپ کے رب نے آپ ﷺ کو خوش خبری دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا کی گئی ہے اور جتنا بڑا انعام ہوتا ہے اتنے ہی اہم اور بڑے ادائے شکر کے طریقے ہوتے ہیں پس آپ صلوٰۃ اور قربانی کو اپنایئے۔ نماز آپ کے کلمہ گو افراد کو قیامت تک ہر دن پانچ بار اپنے رب سے ملائے گی، اور آپ کی قربانی شعائرِ اسلامی میں شامل ہو کر امت مسلمہ کی ایک شناخت بن جائے گی، پھر اس نکتہ پر بھی نظر رہے کہ قربانی کافروں اور مشرکوں کی غیر اللہ سے وابستگی کی علامت تھی۔ جسے صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

اب رہا نسل بریدہ کا مسئلہ، عباس بن رائل، عقبہ، کعب بن اشرف کی نسل کو خزاں نے کاٹ کے رکھ دیا۔ تاریخ میں ان کی نسل کا پتہ نہیں چلتا اور ان کا نام اگر کبھی آتا ہے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آتا ہے۔ کیسی عظیم تھی وہ ذاتِ عالیہ کہ ان کے دشمنوں کے نام بھی عبرت کے لئے محفوظ کر لئے گئے۔

یہ بات اس گفتگو کے آغاز میں عرض کر دی گئی کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے اور وہ بھی

اس خیر کثیر کا حصہ ہے جو حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی۔ اس ذکر کو ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پر ختم کریں گے، متفق علیہ ہے۔ ہم اس کا ترجمہ مسلم شریف کے متن کے مطابق پیش کر رہے ہیں مگر ایک وضاحت کے ساتھ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسجد کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ حالانکہ یہ مکی سورۃ ہے۔ اور اس کا معنوی تعلق سورۂ ضحیٰ اور الم نشرح کے ساتھ واضح ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں ایک مرتبہ سے زیادہ نازل ہوئی ہیں۔ کوئی مسئلہ پیدا ہوا، کوئی صورتِ حال پیش کی ہوئی اور اس کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت یا آیات کو دوبارہ نازل کر دیا جو پہلے نازل ہو چکی تھیں لیکن جو نئی صورت حال کا حل تھیں۔ یہ بھی کلام اللہ کے امتیازات میں سے ایک ہے۔ وہ کتاب جو ہمیشہ تازہ رہی ہے۔

ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان مسجد میں وجود رکھتے تھے آپ پر نیند یا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر آپ نے تبسم کے ساتھ اپنا سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے بسم اللہ کے ساتھ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا یہ جنت کی ایک نہر ہے۔ جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس سے میری امت قیامت کے دن پانی پیئے گی، اس کے پینے کے پیالے آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گے (تعداد میں)۔ اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میری امت میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد اس نے کیا نئی باتیں (بدعت) اختیار کیں۔ (۲۱)

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے اور اس کا پانی قیامت کے دن جب نفسا نفسی کا عالم ہو گا اور پیاس کی شدت کی کوئی انتہا نہ ہو گی میدانِ حشر میں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف سلاما) کو سیراب کرے گا۔ یہ پانی ایک حوض میں جمع کیا جائے گا۔ اس حوض کی وسعت اور اس کے گرد موجود پیالوں کی تعداد کا اندازہ اس دنیا کی حدود میں گھرے ہوئے ہم محدود فہم و تخیل کے انسان پوری طرح کہاں اور کیسے کر سکتے ہیں۔ ہاں آسمانوں یا فضاؤں پر غور کرنے سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ کا احسان

انسان بلکہ تمام مخلوقات کا وجود اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے رب کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔ یہی اللہ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ دنیا سے عقبیٰ تک ہر ایک کے لئے اس کی رحمتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی ربوبیت بھی اس کی رحمت کا اظہار تمام ہے۔ وہ ہر مرحلے پر ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور یوں ہماری صلاحیت اپنی تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ ہماری کمیوں کو دور کر کے وہ ہماری بشریت کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے۔

اور اللہ کی نعمتوں نے ہماری اور کائنات کی زندگی کو متنوع مالا مال اور ہمہ جہت بنا دیا ہے۔ سربلندی، خوش حالی، سکونِ قلب، کائنات کا حسن، اعتدال اور توازن یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ جو ہمیں بلا طلب ملی ہیں اور دینے والے نے ان کی نشان دہی تو کی ہے مگر احسان کہیں نہیں جتایا ہے۔ نشان دہی بھی اس لئے فرمائی ہے کہ ہماری فکر میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم ان نعمتوں کا احاطہ کر سکیں۔ احاطہ تو بڑی بات ہے ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نعمتیں بہت عام ہیں اور ان کے حصول کے لئے ہمیں کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ سورج کی روشنی، زمین کی قوتِ نمو، ہوا، پانی۔ ہم میں سے کون ان نعمتوں کا پوری طرح ادراک کرتا ہے؟ ہمارا معاشرتی زندگی کا ہر خوشگوار پہلو اس کی نعمت ہے۔ ایمان کی دولت اس کی نعمت ہے، خوشی، خوفِ الٰہی، جہاد، اور اس سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت، اللہ کی ہدایت، اقوامِ عالم میں ہمارا امتِ وسط ہونا، معرفتِ الٰہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبے کا کسی حد تک ادراک۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس پھیلی ہوئی کائنات کی بہت مختلف اور بظاہر کوئی باہمی تعلق نہ رکھنے والی چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ان سب کے درمیان تعلق اور ربط پیدا کرتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ کثرت کی وجہ سے ہمیں یاد بھی نہیں آتیں۔ سورۂ رحمٰن کے آئینے میں ربِ جلیل کی نعمتوں کا عکس ہمارے پردۂ ذہن پر منعکس ہوتا ہے۔ قرآن کا عطیہ، انسان کی پیدائش، اس کا کلام اور بیان، جھاڑیوں اور درختوں کی سجدہ گزاری، آسمان کی بلندیاں، میزانِ عدل اور توازنِ تخلیق۔ زمین کا ہمارے لئے بچھایا جانا۔ اس کے میوے، انسان، پھول اور ان کی خوشبوئیں۔ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی ۱۳ آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اللہ کی

نعمتوں کو قرآن کے صفحات اور اپنی زندگی میں دیکھنا شروع کیجئے تو زندگی تمام ہو جائے گی۔ اور نعمتوں کا احاطہ نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی رحمت کا اظہار ہے۔ اس کے کئی اسمائے حسنیٰ یعنی صفاتی کام، رحمت، رحم اور انعام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ باسط، رزاق، لطیف۔

اللہ نے یہ سب کچھ دیا اور کہیں اپنا احسان نہیں جتایا کیونکہ احسان جتانا اس کی شان کریمی کے شایان نہیں۔ اور احسان جتانا تو عباد الرحمٰن کی شان کے مطابق نہیں۔ قرآن میں کتنی جگہ اس کی مذمت کی گئی ہے، سورۃ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلاَ تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (۲۲)

اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان نہ کرو۔

یہ بات کار نبوت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی جارہی ہے۔ یہ ہدایاتِ ربانی میں سے ایک ہدایت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ آپ رب کی بڑائی کا اعلان کرو، پاکیزگی کا بلند ترین معیار پیش کرو۔ یہ دراصل قریش مکہ اور انسانوں کو نبوت کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے ہے، ورنہ ہر نبی اپنے فرائض کسی اجر کی خواہش اور تمنا کے بغیر انجام دیتا ہے اور ہادیٔ اعظم ﷺ کا سینہ تو دردِ انسانیت کا خزینہ تھا۔

"مَن" کا مادہ م ن ن ہے۔ اس کے مادے کے کئی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔ ممنون، ممونیت، منت وغیرہ۔

مَنّ اللہ کا وہ احسان ہے۔ جو کسی منصوبہ بندی، کسی محنت اور مشقت کے بغیر انسان کو حاصل ہو جائے۔ اللہ کے ایسے کتنے ہی احسانات انسان پر ہیں۔ اس کی وحی "من" ہے جو ہم کو غلط فیصلوں، غلط طرزِ حیات، انسان کش نظریات سے بچاتی ہے۔ آزادی اللہ کا احسان ہے۔

اللہ کے احسانات کا احاطہ ناممکن ہے اور اس کے یہ سارے احسانات ہماری زندگی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں زندگی دینے والے نے کہیں احسان نہیں جتایا۔ ہاں صرف ایک احسان کا تذکرہ فرمایا۔ اس رسول کو بھیجنے کا احسان، جو مومنوں پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کو حکمت سکھاتا ہے۔ آیات الٰہی، تزکیہ، کتاب اور حکمت کے بغیر زندگی سراسر خسارہ تھی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْ
مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۲۳)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس کا تزکیہ کرتا ہے (انہیں پاک کرتا ہے) انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔

اس ایک آیت سے نبوت کے فرائض کے ساتھ ساتھ سرورِ کائنات، صاحب کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے کمالات کے کتنے پہلو منور ہو جاتے ہیں۔

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔

انہیں میں سے ایک رسول۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے وہ انہیں کے ساتھی، شناسا، ہم قوم، ہم شہر تھے، ان کے سامنے آپ کی ساری زندگی تھی، وہ اُن ﷺ کی امانت اور صداقت کے شاہد تھے۔ ان سے بہتر اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ اہل مکہ پر اللہ کا احسان تھا کہ اس نے انہیں مرتبہ آدم سے آشنا کرنے کے لئے انہیں میں سے صادق اور امین کا انتخاب کیا۔ وہ جو ان کے درمیان رہتا تھا، وہ جس سے ہر بات آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ جس کی جاں سوزی، گداز قلب، شفقت، ہمدردی، اور بے غرضی کا وہ ہر آن مشاہدہ کرتے تھے، جو ان کے درمیان بیٹھتا اور گفتگو کرتا تو بلا کسی امتیاز کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان بیٹھتے، اور بڑے فطری انداز میں ان کو اللہ کی آیت سناتے، آپ کی گفتگو سے آپ ﷺ کی خاموشی سے، آپ کے اندازِ تبسم اور اسلوب تکلم سے، آپ کی قربت سے اہل مکہ اور قریش کی زندگی اور قلب بدلنے لگتے۔ جو ایمان لاتے ان کے دلوں کی صیقل ہوگئی۔ ان کا ایک ایک لمحہ رضائے الٰہی کے مطابق بسر ہونے لگا۔ ان کا ذہن ایسا تھا کہ عقیدے کے تمام عقدے اور عمل کے تمام پہلو ان پر واضح ہوتے گئے اور اگر کبھی کوئی ذہنی الجھن پیدا ہوتی تو آپ ﷺ کی پر حکمت تشریحات اور حکیمانہ طرزِ عمل اس کو دور کر دیتا۔

اور اہل مکہ و قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی صورت میں انہیں عطا کیا گیا تھا۔

> آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے عمل و علم کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔(۲۴)

اور یہ قرآنی خطاب قیام قیامت تک ہر مسلمان سے ہے۔ صفحات قرآن سے آج تک اس صادق و امین کی آواز ابھر رہی ہے۔ فداہ امی و ابی۔ ان کا اخلاق اور اسوۂ حسنہ آج بھی ہمارے لئے تزکیہ نفس کا راستہ ہے۔ کتب احادیث میں ان کے الفاظ آج بھی ہمیں کتاب اللہ کے حقیقی مفاہیم کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ہمارے لئے دبستانِ حکمت ہیں۔

کتاب، احادیث اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نشاناتِ راہ ہیں اور ہماری فلاح و فوز کا نسخہ،

امتیازی تخاطب جس میں کوئی شریک نہیں

قرآنِ حکیم انسانوں کے لئے کتابِ ہدایت ہے۔ کل کے انسانوں کے لئے، آج کے انسانوں کے لئے اور آنے والے زمانوں کے انسانوں کے لئے۔

ہدایت دینے کے لئے ہدایت دینے والے کا ہدایت پانے والوں اور ہدایت کے طالبوں سے تخاطب اور ہم کلامی لازمی ہے۔ اس ہم کلامی کی جو صورت رب کائنات جل جلالہ نے پسند فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کو ہدایات دیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ انسانوں کو خود بھی مخاطب فرمایا۔

قرآنِ حکیم میں تخاطب کی یہ صورتیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیا کو مخاطب فرمایا اور اُن سے تخاطب کے پیرائے میں ان کی امتوں کو ہدایات دیں۔

قرآن مجید میں یا ایہا الذین آمنوا اور یا یہا الناس کا تخاطب بہت عام ہیں۔ جہاں اہل ایمان کو تخاطب کیا گیا ہے وہاں ایمان کی اساسی باتیں اور احکام دئے گئے ہیں اور جو حقائق بیان کئے گئے ہیں، مثلاً سورۂ البقرہ کے ابتدائی حصے میں ہمیں یہ آیت ملتی ہے۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (۲۵)

اے انسانو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن سکو۔

اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کی مخاطبت زیادہ وسیع ہے۔ اس نے اہل ایمان کو اسلام کے تقاضوں، ایمان کے بنیادی اور اساسی اصولوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے اور ان کے بارے میں آداب، لباس اور کھانے کے اصولوں، مصیبت کے مقابلے کے نسخے، عبادات، خشیت اللہ، باہمی معاملات اور لین دین کے طریقوں، صبر، حق، رحمت کے افادات، باہمی ربط اور اللہ کے راستے میں استقامت، معروف ونواہی، غرض کہ زندگی کے ہر پہلو اور گوشے کے بارے میں ہدایات سے نوازا ہے۔

اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے ان کو عمل کی راہ اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (۲۶)

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد لو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہر دور میں اہل ایمان کو اللہ کے راستے میں مصائب، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کے لئے یہ آزمائشیں صبر اور نماز سے سہل ہوتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠(۲۶)

اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اسلام اللہ کا دین اور اللہ کا راستہ ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہاں کسی کی شرکت کی گنجائش نہیں۔

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانہ بر حق باطل نہ کر قبول

اسلام مومن کا ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی۔ اسی یک سوئی کا نام اسلام ہے۔ آدمی

اپنی ذات، اپنی عقل، اپنے رجحانات سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر دست بردار ہو جاتا ہے۔ یہ بات اپنی عقل کو مکمل تکیہ کرنے والوں اور اپنے معیار کو حق و باطل کی میزان قرار دینے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مسلمان فرامین الٰہی کو تسلیم کرنے کے بعد جب کائنات پر نظر ڈالتا ہے، فلسفہ اور خیالات کی دنیا کا جائزہ لیتا ہے اور فرمانِ الٰہی کو قول فیصل قرار دے کر جب تفکر کرتا ہے تو وہ علم و فکر کی دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں رسولوں سے خطاب ملتا ہے، بلکہ انسانوں سے خطاب انبیائے کرام ہی کے واسطے اور وسیلے ہی سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے ہم ان کی تعداد سے ناواقف ہیں۔ قرآن حکیم میں عظیم المرتبت انبیا کا ذکر اور ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

ان رسولوں میں حضرت آدم، حضرت نوح، ابوالانبیا حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ممتاز تر ہیں۔ ہم رسول کی حیثیت سے ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ لیکن اہمیت اور مرتبے میں بعض زیادہ اہم ہیں، اس کا معیار انسانی تاریخ پر اس کا اثر اور ان کی نازل ہونے والی کتابوں کو قرار دیا جاسکتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ابوالانبیا ہیں۔ کتنے جلیل القدر رسول ان کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ اور سلسلۂ نبوت کا اختتام بھی ان کے جلیل القدر بیٹے رحمۃ للعالمین، فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔

کئی جلیل القدر انبیائے کرام علیہ السلام کے حالات اور تعلیمات کا سب سے زیادہ معتبر ماخذ قرآن عظیم ہے۔ قرآن عظیم کی تعلیمات کے مطابق یہ سارے رسول ایک ہی دین لے کر آئے اور وہ دین اسلام ہے۔ ان رسولوں کی بنیادی تعلیمات اور ان کے دیئے ہوئے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں، ہاں جزئیات کا فرق ان کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے ان سب رسولوں کو مخاطب کر کے ان کے بھیجنے والے نے ایک بات کہی اور وہ یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

عَلِیۡمٌ O (۲۷)

اے رسولو! پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ اور تم جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔

ہر رسول نے حلال اور پاکیزہ طریقہ سے حاصل کئے ہوئے پاکیزہ رزق پر زور دیا ہے۔ یہ ربانی تعلیمات کی عملی اساس ہے، اور بنیادی عقائد کے بعد سب سے زیادہ اسی کی اہمیت ہے۔

عبادات کے قبول اور عدم قبول کا انحصار بھی رزقِ حلال پر ہے اور اعمالِ صالحہ میں عبادات، معاشرتی زندگی کا ہر جزو اور اپنی ذات کی تعمیر ہر چیز سمٹ آئی ہے۔

کئی انبیائے کرامؑ کا ذکر قرآنِ عظیم میں بار بار آیا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم میں ۴۳ بار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی ۶۹ بار آیا ہے۔

حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے نام بھی مختلف سیاق و سباق میں بار بار آئے ہیں۔

اس کے برعکس ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صرف چار بار اور احمد ایک بار آیا ہے۔

اس نکتہ پر غور کیجئے تو کئی ایمان افروز پہلو سامنے آئیں گے، قرآن کریم میں پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصوں کے حوالے سے انسانیت کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ انسانی سعادتوں کی تاریخ، انسان کی بغاوت، سرکشی، طغیان اور گمراہیوں کی تاریخ، انسانی ترغیبات، خواہشوں، فلسفیوں، خود کو دھوکہ دینے اور خود شناسی کی تاریخ۔

دوسرا نکتہ یہ ابھرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اگرچہ صرف پانچ بار آئے ہیں، لیکن قرآن کریم نے انہیں کہیں نبی کہا ہے، کہیں رسول، کہیں مزمل اور کہیں مدثر، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے ذاتی ناموں سے کہیں مخاطب نہیں کیا ہے، یہ اپنے بندے اور رسول کے احترام کی انتہائی مثال ہے۔

ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا ہے۔ ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے مخاطبت کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ (۲۸)

اے ابراہیمؑ یہ خیال چھوڑ دو

وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ O قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O (۲۹)

اور ہم نے اس کو پکار کر کہا کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور ہم محسنوں اور نیکو کاروں کو ان کی جزا اور ان کا اجر دیتے ہیں۔

حضرت سرورِ دیں، خلاصۂ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بارہا مختلف سیاق و سباق میں مخاطب کیا ہے۔ کہیں شدائد کے عالم میں حرفِ تسلی سے نوازا، کہیں آپ کو فرائض نبوت کی تکمیل میں بے چین اور سرگرداں پاکر اس پیار سے پکارا ہے کہ لفظ تبسم بن گئے ہیں، کہیں آپ کو راتوں میں کفار اور مشرکین کے لئے ہدایت طلبی کی دعاؤں میں اپنی جان کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہوئے دیکھ کر پیار سے اپنی طرف بلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ اپنا خیال رکھئے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ۔ (۳۰)

اے رسول! وہ لوگ آپ کے لئے حزن اور دکھ کا سبب نہ بنیں جو کفر کی راہ میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں۔

مکی سورتوں میں قریش کی ہدایت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب اور بے چینی کی تصویریں ملتی ہیں۔ سورۂ مائدہ مدنی سورۃ ہے، یہ ۶ھ یا ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ اور نواح مدینہ کے یہودی سازشوں میں مصروف تھے اور ان کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اسلام کی بقا اور فروغ کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں کسی شبہ کے پیدا ہونے کا کیا سوال، عام مسلمان بھی فتح مبین پر ایمان کامل رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام تر اضطراب، حزن ان کفار کی خیر خواہی کی خاطر تھا۔

اللہ کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی یقین تھا کہ کفار کی یہ سرگرمیاں دین حق کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ کفر کی قسمت میں ذلیل ہونا تھا۔ اللہ کا یہ فیصلہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہو چکا تھا کہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً ○ (۳۱)

بیشک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے۔

سورۂ فتح وعدۂ نصرت اور اللہ کے فیصلوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔ آسمانوں اور زمینوں کے تمام لشکر اللہ کے ہیں۔ (۳۲) اور یہی بات آیت نمبر ۷ میں دہرائی گئی۔ منافق مردوں اور عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کے لئے مصیبتوں کا دائرہ اور چکر مقدر ہو چکا تھا۔ (۳۳) قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ سورۂ الفتح کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کریں۔ سورۂ کے آخری رکوع میں تو صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ:

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اللہ کا دین ہر باطل دین اور نظام پر غالب آ کر رہے گا اور اللہ ہی حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (۳۴)

اسلام کی فتح و نصرت پر ایمان کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مطہر گم کردہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے کیسا دکھ برداشت کرتا تھا۔

یہاں ضمناً ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ بہت سے مقامات پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نام اور صفت کے خطاب فرمایا ہے اور ضمیر حاضر استعمال کی ہے مثلاً اسی سورۂ الفتح میں ارشاد ہوا۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِيْرًا ○ (۳۵)

اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) اور حال بتانے والا، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اور کہیں مختصر سے فعل کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا سورۂ اخلاص اور معوذتین اس کی مثالیں ہیں۔ اور سورۂ الاعراف کی آیت کا یہ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۳۶)

اے رسول! کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم گیر نبوت کا اعلان ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانا تمام رسولوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی یہ عظمت و شانِ محبوبیت تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان آپ ﷺ کی زبان سے کرایا ہے۔ العظمۃ اللہ، یہ اعلان اس کی زبان سے کرایا گیا جو صادق تھا، امین تھا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایمان، عبادات، اعمال صالحہ کے احکام راست دیئے گئے، خیر و شر کے فرق سے آگاہ کرنے کے لئے انہیں راست مخاطب کیا ہے۔ ایسے ''خطابات'' کی تعداد ۱۵۰ سے کچھ ہی کم ہے۔ لیکن بعض فرائض اور عبادات نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے عطا کئے گئے ہیں۔ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اُن کی اہمیت کو اور اُبھارنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول کا عمل اس کے اسوۂ حسنہ کا حصہ ہے۔ اور اس کا اتباع اہل ایمان کی شناخت ہے۔

جہاد اگرچہ رکنِ اسلام نہیں ہے، مگر جہاد ہر رکن کی روح اور جان ہے۔ صلوٰۃ اللہ سے ہم کلامی ہے اور نماز میں یہ بات بڑی جدوجہد کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تمام وسیلوں کو ٹھکرانا اور کسی آستانے پر سر نہ جھکانا، اس سے بڑا جہاد اور کیا ہو سکتا ہے؟ قتال، جہاد کی انتہائی شکل ہے اور جان آدمی کو کتنی عزیز ہوتی ہے، اس کا شاہد ہم میں سے ہر شخص ہے۔ مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دینے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

يَآ يُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ط (۳۷)

اے نبی! مومنوں کو قتال کا شوق دلاؤ۔

اور اس سلسلہ میں یہ فرمایا کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو بیس مومن دو سو کافروں پر غالب آئیں گے، اور سو آدمی ہزار کافروں پر غالب آئیں گے، اور اس کا سبب یہ بتایا کہ کافر سمجھ اور شعور نہیں رکھتے۔ لا یفقھون۔ مشرک، اہل کتاب اور کافر زندگی اور موت کے مفہوم سے ناواقف ہیں، اسی لئے وہ زندگی کے حریص ہوتے ہیں اور موت سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ اہل کتاب بھی زبانی تعلیمات کو بھلا کر دنیا کے دام میں الجھ جاتے ہیں۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر ۹۷ میں ان لوگوں کی حرص حیات کا ذکر ہے کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال کی عمر پائے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں اہل ایمان کو یہ تعلیم دی کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہ دنیا تو سرائے ہے اور موت کا وقت مقرر ہے۔ پھر زندگی کا مقصد تو اسے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے گزارنا اور قربان کرنا ہے اور جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ مجاہدِ اعظم صلی اللہ علیہ

وسلم نے انسانی قلب سے موت کا کانٹا نکال دیا، اور موت وہ پل بن گئی جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

جہاد کا حکم ایک مقام پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم اہلِ ایمان کے لئے بھی ہے۔ اس اسلوب بیان کا مقصد جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِالْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ (۳۸)

اے نبی ﷺ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجۂ صبا سے زیادہ نرم فطرت کے مالک تھے۔ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، قصبات سے آنے والے غیر تربیت یافتہ نو مسلموں کے ساتھ التفات برتتے اور ان کی ادب و آداب سے ناواقفیت کا خیال نہ کرتے، اسی لئے ان کے رب نے کافروں اور کھلے ہوئے منافقوں کے ساتھ انہیں سخت برتاؤ کا حکم دیا۔

ابتدائی مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو پیارے القاب یا صفاتی ناموں سے مخاطب کیا۔ یہ وہ دور تھا جب آپ ﷺ کے لئے وحی الٰہی کی مشقت اور بوجھ کو برداشت کرنا زیادہ مشکل تھا۔ قرآن عظیم تو وہ کلام ہے کہ قلب محمدی ﷺ کے سوا اس کو کوئی اور برداشت نہ کر سکتا تھا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَاالْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ۔ (۳۹)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور خشیت سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔ (ریزہ ریزہ ہو جاتا)

وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کے بارے میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔ وہ انشاءاللہ اپنے موقع پر پیش کی جائیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وحی کے نزول کے بعد سخت سردی محسوس کی، اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے فرمایا کہ زملونی زملونی "مجھے ڈھانپو، کپڑا اڑھا دو" اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا یہ کیفیت اتنی پسند آئی کہ بارگاہ حمدیت سے مزمل کا اعزاز عطا ہوا۔ قرآن میں

سورۂ مزمل سے متصل سورۂ مدثر ملتی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اے کپڑے میں لپٹنے والے۔

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسلوب تخاطب کے سلسلے میں عرض کی گئی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ملاحظہ کیجئے: سورۂ بنی اسرائیل

۲۔ طبقات ابن سعد، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۹۷ء، ۱/ ۲۷۳،

۳۔ سورۂ الم نشرح، آیت ۴،

۴۔ ایضاً، آیت ۱،

۵۔ ایضاً، آیت ۲،

۶۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور، ۱۹۹۱ء / جلد سوم / ص ۲۵،

۷۔ بحوالہ بالا / ص ۲۵، ۲۶،

۸۔ سورۂ الحجر، آیت ۷۲،

۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جلد پنجم، ص ۲۹۵،

۱۰۔ سورۂ یوسف، آیت ۹۲،

۱۱۔ سورۂ نجم، آیت ۱ تا ۴،

۱۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی / تفسیر عثمانی / مطبوعہ مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، مدینہ منورہ، / ص ۶۹۸،

۱۳۔ سورۂ البلد، آیت ۱ تا ۲،

۱۴۔ سورۂ منافقون، آیت ۱،

۱۵۔ سورۂ یٰس، آیات ۱ تا ۴،

۱۶۔ ملاحظہ کیجئے تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی، البغدادی، بیروت، ج ۲۲ / ص ۲۱۰، و مواہب الرحمٰن، امیر علی ملیح آبادی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ج ۲۲، ص ۲۶۰،

۱۷۔ سورۂ والضحیٰ آیت ۱۔ ۲،

۱۸۔ ایضاً، آیت ۳۔ ۴،

۱۹۔ ایضاً، آیت ۵ تا ۸،

۲۰۔ فیوض القرآن، ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ، فیروز سنز، ص ۱۵۰،
۲۱۔ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حیدر آباد دکن، ج ۱۰، ص ۳۵۱،
۲۲۔ سورۂ مدثر، آیت ۶
۲۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴،
۲۴۔ تفسیر عثمانی، بذیل آیت آل عمران، آیت ۱۶۴،
۲۵۔ سورۂ البقرہ، آیت ۱۵۳،
۲۶۔ سورۂ البقرہ، آیت ۲۰۸،
۲۷۔ سورۂ المومنون، آیت ۵۱،
۲۸۔ سورۂ ہود، آیت ۱۷۶،
۲۹۔ سورۂ صفت، آیت ۱۰۴، ۱۰۵،
۳۰۔ سورۂ مائدہ، آیت ۴۱،
۳۱۔ سورۂ الفتح، آیت ۱،
۳۲۔ ایضاً، آیت ۴،
۳۳۔ ایضاً، آیت ۶،
۳۴۔ ایضاً، آیت ۲۸،
۳۵۔ ایضاً، آیت ۸،
۳۶۔ سورۂ اعراف، آیت
۳۷۔ سورۂ انفال، آیت ۶۵،
۳۸۔ سورۂ التوبہ، آیت ۷۳،
۳۹۔ سورۂ حشر، آیت ۲۱،

رحمٰنیہ
سوئیٹس
اینڈ ڈیری
REHMANIA SWEETS &
DAIRY
﴿بالمقابل فردوس سینما، ٹھنڈی سڑک۔ حیدر آباد،﴾
فون: 780868